بسم اللہ الرحمان الرحیم

اللھم ارنا الحق حقاً و رزقنا اتباعا و ارنا الباطل باطلاً و رزقنا اجتنابا

سوال نمبر۱: کیا دینِ اسلام یا شریعت صرف پانچ ارکانِ اسلام کا مجموعہ نہیں ہے؟

حدیث جبرئیل میں بیان کردہ ارکان اسلام کی تعداد بلا شبہ پانچ ہے اور یہ اسلام کے واضع اور عظیم شعائر ہیں اور ان کو مکمل کرنے کے ساتھ اسلام مکمل ہوتا ہے اور ان کے ترک سے انقیاد [اطاعت، فرمانبرداری] کی گرہ ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جس دین اسلام کا ذکر فرمایا اُس سے مقصود بندے کا اپنے رب کے لیے مطلقاً مطیع ہونا ہے۔ جو قدرت رکھتا ہے اُس پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے اُس کے لیے دین کو خالص کرے اور پانچ ارکان کو ادا کرے۔

ان کے علاوہ واجبات، فرائض کا وجوب اسبابِ مصالح پر مبنی ہے وہ تمام لوگوں پر واجب نہیں ہیں۔ بعض چیزیں فرض کفایہ ہیں جیسے جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور وہ اعمال جو ان کے تابع ہیں مثلاً امارت؛ فیصلہ، فتویٰ، پڑھنا، حدیث بیان کرنا وغیرہ؛ اور وہ اعمال جو لوگوں کے حقوق کی وجہ سے واجب ہوتے ہیں تو اسباب کی موجودگی میں واجب ہوں گے عدم موجودگی میں واجب نہیں ہوں گے جیسے فرض کی ادائیگی، امانتوں کو واپس کرنا، غصب شدہ چیز کو واپس کرنا، حقوق کا انصاف، خون، مال، عزت وغیرہ، بیوی اور اولاد کے حقوق، صلہ رحمی وغیرہ پس ان میں جو زید پر واجب ہے وہ عمرو پر واجب نہیں بخلاف رمضان کا روزہ، بیت اللہ کا حج، پانچوں نمازیں، زکوٰۃ۔

سوال نمبر۲: پھر شریعت سے کیا مراد ہے اور ایک مسلمان کی زندگی میں شریعت کا کتنا عمل و دخل ہے؟

شریعت کی چند تعریفیں مندرجہ ذیل ہیں؛

- "وہ **سیدھا راستہ** جو واضح ہو"۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن:۲۵۹
- "بندوں کے لئے **زندگی گزارنے کا وہ طریقہ** جسے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا اور بندوں کو اس پر چلنے کا حکم دیا۔ "ابن منظور، لسان العرب،۸:۱۷۵
- "شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے بطور **ضابطہ حیات** جاری فرمائے ہیں۔" عبد القادر الرازی، مختار الصحاح:۴۷۳

انسان کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ کسی نظریہ یا عقیدہ کے بغیر عمل کر ہی نہیں سکتا۔ عقیدہ کے معنی ہیں ایک "مقصود" کی خواہش؛ جب تک مقصود نہ ہو اُس کے حصول کے لیے عمل کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جہاں "اعملوا الصلحات" کا ذکر ہے وہاں "امنوا" کا ذکر اُس سے پہلے موجود ہے، اسلام کے نظریہ کو دل سے تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے۔

جب یہ واضح ہو گیا کہ عمل کی بنیاد نظریہ یا عقیدہ ہے تو ایک مسلمان جس کا عقیدہ ہر قسم کے طاغوت کا انکار اور خالص توحید کا اقرار ہے اُس کے بھی ہر عمل کا منبٰی اُس کا یہی عقیدہ ہے اور اُس کے ظاہری اور باطنی اعمال کا نام شریعت ہے۔ شریعت نے اعمال کو مندرجہ ذیل پانچ دائروں میں تقسیم کیا ہے۔

- وہ اعمال جن کے کرنے میں ثواب اور چھوڑنے پر عذاب ہوتا ہے۔
- وہ اعمال جن کے کرنے میں عذاب اور چھوڑنے پر ثواب ہوتا ہے۔
- وہ اعمال جن کے کرنے میں ثواب اور چھوڑنے پر کوئی وعید نہیں ہے۔
- وہ اعمال جن کے کرنے پر کوئی وعید نہیں ہے اور چھوڑنے پر ثواب ہوتا ہے۔
- مباح اعمال

ہر مسلمان کا کوئی بھی ظاہری و باطنی عمل انہی مندرجہ بالا دائروں میں گردش کرے گا جن کو قرآن اور حدیث کی سند حاصل ہے۔ یہاں تک کہ عملِ مباح بھی صرف اُسی وقت عملِ مباح کہلائے گا جب قرآن اور حدیث سے اُس کے کسی اور دائرے میں موجودگی کی دلیل عنقا ہوگی؛ جو اِس عمل کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔

سوال نمبر ۳: کیا میں اپنی زندگی کو اپنی مرضی اور اپنے اصولوں کے مطابق نہیں گزار سکتا؟

امام غزالی رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کی ترجمانی میں فرماتے ہیں کہ صحیح و غلط، عدل و ظلم، اعتدال و انتہا کے درمیان فرق جاننے کے صحیح طریقے کو جاننے سے **عقل مکمل طور پر قاصر** ہے۔ ان فلاسفہ کے بے تکے دعووں کو قبول کرنے کا مطلب تعلیمات انبیاء کی تردید ہے جو کہ انسان کی بنیادی ضرورت "رہنمائی" سے انکار ہے۔

اس کائنات میں **دو ہی طرح کے قوانین ہیں**؛ وہ جو خدا نے بنائے اور وہ جو انسان وضع کرتا ہے۔ جس طرح مادی کائنات سے متعلق فطری قوانین خدا نے بنائے اُسی طرح انسانی رویے کے فطری اظہار سے متعلق قوانین بھی خدا نے بنائے جو شریعت کی صورت میں موجود ہیں۔ یہ قوانین ایسے نہیں جنھیں تجربیت یا عقلیت کی روشنی میں اخذ کیا جا سکے۔ **اِس امکان کو ماننا در حقیقت ضرورتِ نبوت کا انکار کرنا ہے**۔ اللہ تعالٰی کے نازل کردہ قانون کے علاوہ انسانی زندگی مرتب کرنے کا جو بھی قانون انسان وضع کرتا ہے وہ سرکشی و بغاوت ہے نہ کہ اُس کی فطرت کا تقاضا۔ پس فطرت سلیمہ وہی ہے جو اسلامی احکامات اور اُس کے تقاضوں کے مطابق ہو، جو شخص

اسلامی احکامات کو اپنی فطرت اور مزاج کے خلاف محسوس کرتا ہے درحقیقت فطرت غیر سلیمہ کا مالک ہے اور ایسی ہی غیر سلیم فطرت کے تزکیہ کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اُسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے تابع بنایا جائے۔

سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا؛"تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوتا جب تک کہ اُس کی **خواہشات اُس چیز (دین وشریعت) کی تابع نہیں ہوتیں** جس کو میں اللہ کی جانب سے لایا ہوں"[مشکوۃ شریف۔ جلد اول۔ کتاب اور سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا بیان۔ حدیث ۱۶۴]

قرآن کریم کا حلفیہ بیان ہے کہ جو لوگ آپ کے فیصلہ پر راضی نہ ہوں اور اس کے لئے سر تسلیم خم نہ کریں وہ ایمان سے محروم ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا. [سورة النساء؛ ۶۵]"سوقسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو ہی منصف جانیں، اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے دل میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے۔"

سوال نمبر ۴: کیا شریعت صرف [حرام؛ حلال؛ فرض؛ سنت][یہ کرو]اور[یہ نہ کرو] کا مجموع ہے؟

شریعت کا اصل مقصد تو فقط آخرت میں جہنم سے نجات اور جنت میں دخول ہے مگر اِس کا مطلب قطعی طور پر یہ نہیں ہے کہ اِس دنیا میں وہ ایک فقط امر[کرو] و نہی[نہ کرو] کی بنیاد پر ایک بے مقصد نظام حیات ہے۔ بلکہ جتنا گہرا؛ با مقصد؛ باربط تعلق شریعت کا ہر مسلمان سے بیک وقت اُس کی انفرادی؛ باہمی اور اجتماعی زندگی سے ہے، انسان کا اپنا وضع کردہ کوئی بھی نظام اُس کے عشر عشیر کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ تو جب شرعی احکام کی غیر شرعی نظام میں غیر فطری پیوندکاری کی جاتی ہے تو شریعت محض "[حرام؛ حلال؛ فرض؛ سنت][یہ کرو]اور[یہ نہ کرو]" کا مجموع نظر آتی ہے۔ شریعت دینِ اسلام کی چھ مصلحتوں کی محافظ ہے اور ان مصلحتوں کا تعلق ہر مسلمان کی دنیاوی اور اُخروی زندگی سے ہے اور یہی محافظت مقاصد شریعت کہلاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں؛

دین کی حفاظت؛ دین کے شعار [الصلوۃ؛ زکوۃ؛ امر بالمعروف و نہی عن المنکر؛ بذریعہ جہاد فی سبیل اللہ اسلام کی طرف دعوت دینا؛ الولا و البراء کی بنیاد پر تعلقات؛ حدود کے نفاذ وغیرہ] کے قیام کو حکومت کی اولین ترجیح قرار دینا۔ مسلمانوں کے ایک گروہ پر علم کا حصول فرض اور بقیہ عوام پر ان کی پیروی کو لازم قرار کیا گیا۔ مرتد کے لیے موت کی سزا قرار دینا۔

انسانی جان کی حفاظت؛ قتل عمد میں قصاص کو اور قتل خطاء میں دیت کو مشروع قرار دینا۔ حملہ آور دشمن سے دفاع کی اجازت دینا۔ امراض کا علاج لازم اور خودکشی کو حرام قرار دینا۔ ہر وہ چیز جو مضر صحت ہے اُس کو حرام قرار دینا۔

نسل کی حفاظت؛ زنا کو حرام [شادی شدہ زانی کو رجم اور غیر شادی شدہ زانی کو کوڑوں اور جلاوطنی کی حد] قرار دینا۔ فحاشی اور ذریعہ فحاشی کے تمام اسباب کو حرام قرار دینا۔ عورتوں کے لیے حجاب کے احکام اور مردوزن کے لیے غض بصر کے احکام دینا۔ عدت کے احکام دینا۔

عزت کی حفاظت؛ قذف کی حد قرار دینا۔ غیبت اور غلط القاب سے پکارنے کو ممنوع قرار دینا۔

عقل کی حفاظت؛ شراب و دیگر تمام نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دینا؛ اور اُس کے استعمال کرنے والے پر حد واجب قرار دینا اور اس کے کاروبار میں ملوث تمام اشخاص کو ملعون قرار دینا۔

مال کی حفاظت؛ چوری اور ڈاکہ زنی کو حرام اور قابل حد جرائم قرار دینا۔ سود کو حرام قرار دینا۔ دھوکے والی تمام خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا۔ حرام طریقوں اور کاروبار کو ممنوع قرار دینا۔

سوال نمبر ۵؛ اِس شریعت کا نفاذ کس کی ذمہ داری ہے؟

سورۃ المائدۃ کی آیت نمبر ۴۴ تا ۴۷ شریعت کے اجتماعی؛ باہمی اور انفرادی ذمہ داری کے دائروں کی وضاحت بھی کرتی ہے اور غیر ذمہ داروں کی دین اسلام میں جگہ اور حیثیت کا تعین بھی کرتی ہے۔

اجتماعی ذمہ داری؛

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ [سورۃ المائدۃ؛ ۴۴] **بیشک** ہم نے توریت نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے اُسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمانبردار تھے **یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں** اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کیے گئے تھے اور اُس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے) تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لینا اور **جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔**

یہ آیت دینی و دنیاوی اولو الامر [حکمران؛ جج؛ ادارتی افسران؛ مفتیان؛ جماعتی یا پنچایتی ذمہ داران وغیرہ] سے **متعلق** ہے جو مسلمان معاشرہ کے اجتماعی معاملات اور ان کے درمیان فیصلوں کے ذمہ دار ہیں۔ ان پر اِس آیت کی رو سے لازم ہے کہ وہ خدا کے نازل کردہ احکامات کے مطابق اجتماعی فیصلے کریں اور جو نہ کرے اس کا مقام دین اسلام میں کافر کا ہے؛ حقیقی یا مجازی یہ ایک دوسری بحث ہے مگر اِس کفر کی وجہ سے وہ مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری اور امامت سے معزول ہو جاتا ہے اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ اُس کو تبدیل کر دیں؛

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے کہا نبی ﷺ نے ہم لوگوں کو بلایا اور ہم نے آپ ﷺ کی بیعت کی آپ ﷺ نے جن باتوں کی ہم سے بیعت لی وہ یہ تھیں، کہ ہم بیعت کرتے ہیں اِس بات پر ہم اپنی خوشی اور اپنے غم میں اور تنگدستی اور خوشحالی، اور اپنے اوپر ترجیح دیئے جانے کی صورت میں سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور حکومت کے لئے **حاکموں سے نزاع نہیں کریں گے لیکن اعلانیہ کفر پر**، جس پر اللہ کی طرف سے دلیل ہو۔ [صحیح بخاری ۔ جلد سوم ۔ فتنوں کا بیان ۔ حدیث ۱۹۷۸]

باہمی ذمہ داری؛

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [سورۃ المائدۃ؛ ۴۵] اور ہم نے ان لوگوں کے لیے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا **اسی طرح بدلہ ہے** لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور **جو خدا کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں**۔

یہ آیت مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور معاملات سے متعلق ہے اور اس آیت کی رو سے باہم معاملات میں خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز یعنی ظلم کی نفی اور شریعت کے احکام کی پیروی کو لازم قرار دیا گیا ہے اور جو نہ کرے اس کا مقام دین اسلام میں ظالم کا ہے اور مسلمانوں پر ظالم کو معزول کرنا نہیں بلکہ اُس کو ظلم سے روکنا لازم ہے ورنہ تمام معاشرہ تباہ ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے ظالم یا مظلوم بھائی کی مدد کرو، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مظلوم کی مدد کرنا تو سمجھ میں آتا ہے، لیکن ظالم کی کس طرح مدد کریں، آپ ﷺ نے فرمایا **اُس کا ہاتھ پکڑ لو** [یعنی اُس کو ظلم سے روکو]۔ [صحیح بخاری ۔ جلد اول ۔ گری پڑی چیز اٹھانے کا بیان ۔ حدیث ۲۳۴۱]

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو" [یا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؛ ۵:۱۰۵] تک "اے ایمان والو تم اپنی جانوں کی فکر کو ضروری سمجھو کوئی گمراہ تمھیں ضرر نہیں پہنچا سکتا بشرطیکہ تم ہدایت یافتہ ہو"؛ جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ اگر لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور **اُسے نہ روکیں** تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دے۔ [جامع ترمذی ۔ جلد دوم ۔ فتنوں کا بیان ۔ حدیث ۴۳]

انفرادی ذمہ داری؛

وَقَفَّيْنَا عَلَى آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [سورۃ المائدۃ؛ ۴۶، ۴۷] اور ان پیغمبروں کے بعد انہی کے قدموں پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے اور ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اِس سے پہلی کتاب (ہے) تصدیق کرتی ہے اور **پرہیز گاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے**۔ اور اہل انجیل کو چاہیئے کہ جو احکام خدا نے اِس میں نازل فرمائے ہیں اُس کے مطابق حکم دیا کریں اور **جو خدا کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرماں ہیں**۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اور انجیل مقدس کے متعلق دو حقیقتیں مُسلّمہ ہیں؛ **اول**: حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام گو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے مگر ان کی حیثیت اہل یہود کے انتظامی امور میں پچھلے انبیاء [جن کا ذکر آیت نمبر ۴۴ میں گذر چکا ہے] کی مانند نہیں تھا اور نہ ہی ان کے حوارین ان کی زندگی میں ایک منظم معاشرہ کی شکل اختیار کر سکے جن کے حکمران کے طور پر آپ علیہ السلام ان کے اجتماعی معاملات پر شریعت کا نفاذ کرتے؛ **دوم**: انجیل مقدس شرعی احکامات کا نہیں بلکہ مواعظ حسنہ کا مجموعہ ہے اور اُس کے مباحث کا مرکز تزکیہ نفس اور انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلقات پر ہے۔

ان دونوں حقیقتوں کی روشنی میں اوپر والی آیت واضع کرتی ہے کہ اس کا تعلق مسلمان کے ان انفرادی معاملات سے ہے جو پرہیز گاری اور تزکیہ نفس کے زمرہ میں آتے ہیں۔ ان معاملات میں جو خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے اور شریعت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم نہ ٹھیرائے اس کا مقام دین اسلام میں فاسق کا ہے اور عام مسلمانوں کو ان کے ساتھ تعلقات میں احتیاط برتنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ [مشکوۃ شریف۔ جلد سوم۔ ولیمہ کا بیان۔ حدیث ۴۲۷]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافق کو سردار مت کہو کیونکہ اگر وہ سردار ہو تو بے شک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کر دیا۔ [سنن ابوداؤد۔ جلد سوم۔ ادب کا بیان۔ حدیث ۱۵۶۹]

سوال نمبر ۶؛ شریعت میں مصلحت کا کیا مقام ہے؟

شریعت میں مصلحت اُس چیز کو کہا جائے گا جس کا باطل ہونا شریعت کی نصوص یا اصول سے ثابت نہ ہو۔ البتہ جب کسی چیز کا باطل ہونا کسی شرعی نص یا شرعی اصول سے ثابت ہو گیا تو اب اُس ہر چیز کو اُس کی حرمت کے باوجود اختیار کرنا اردو استعمال کے لحاظ سے 'مصلحت' ہو تو ہو؛ شرعاً "مصلحت" نہ ہو گا۔ فقہائے اسلام کے نزدیک مصلحت کا اعتبار کرنے کے لئے شرعاً مندرجہ ذیل دو شرطیں عائد ہوتیں ہیں؛

شرط اول؛ مصلحت؛ مقاصد شریعت کی ترتیب میں آتی ہو؛ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ "الموفقات" کے جز اول میں فرماتے ہیں کہ جان ومال اور عقل و نسل کی حفاظت مقاصد دین میں شامل ہے مگر حفظ دین سب سے پہلے اور مقدم ہے۔ دیگر فقہاء بھی مصلحت کی اِس شرط پر متفق ہیں کہ وہ مقاصد شریعت کے ترتیب کے تابع ہو جو کہ حفظ دین سے شروع ہوتے ہیں اور دین کے بعد ہی جان، مال، عقل اور نسل کی حفاظت کی نوبت آتی ہے۔ آج تک کسی فقیہ نے اِس بات سے اختلاف نہیں کیا کہ حفظ دین سب سے بڑی مصلحت ہے۔

شرط دوئم؛ مصلحت کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مصالح مرسلہ میں آنی چاہیے؛یعنی وہ ظاہر شریعت کی کسی نص سے متصادم نہ ہو؛ مثلاً سود کے مال کو صدقہ کرنے میں بظاہر مصلحت نظر آتی ہے مگر شریعت اُسے مصلحت نہیں مانتی۔ ایسی صورت میں "مصلحت کا تقاضا مفسدت {فساد} ہے"۔ اب اگر کوئی شخص نصوص سے متعارض چیز کو مصلحت مانتا ہے تو نصوص کا مفسدت {فساد} ہونا خود بخود لازم آجائے گا؛ **معاذ اللہ**۔

جہاں تک اخف الضررین {کمتر برائی} کے مسئلہ کا تعلق ہے تو دراصل یہ مصالح اور مفاسد کی ترجیح کی بنیا پر ہی ہوتا ہے۔

لا الہ الا اللہ ؛ لا الہ الا اللہ ؛ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و بارك و سلم تسلیماً کثیرا کثیرا

والسلام وعلیکم و رحمۃ اللہ

فرقان الدین احمد

furqanuddin@gmail.com

خصوصی نوٹ؛ معزز قاری انتہائی ادب سے آپ سے مندرجہ ذیل گزاراشات ہیں؛

۱۔ اگر آپ اس مضمون کے مندرجات سے متفق ہیں تو اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب تک پہنچانے کا فریضہ ادا کریں تا کہ اس نازک مسئلہ میں لاعلمی کہیں ہمیں آخرت میں خسارہ پانے والوں میں شامل نہ کردے۔

۲۔ اگر آپ اس مضمون کے مندرجات سے متفق نہیں ہیں تو راقم کی اصلاح فرمایئے اور اس مضمون میں موجود غلطیوں کی نشاندہی فرما کر راقم پر احسان عظیم فرمایئے۔